AL-HAYAT Research Journal

Volume 3 Issue 3 (April-June 2026)

ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759

HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y

اردو نثری نظم میں عالم گیریت

Globalization in Urdu Prose Poetry

Sonia Jabeen
PhD Scholar, Department of Urdu, Division of Islamic and oriental Learning, University of Education, Lower Mall Campus Lahore, beenijabeen544@gmail.com

Prof. Dr. Waheed Ur Rahman Khan
Department of Urdu, Division of Islamic and oriental Learning, University of Education, Lower Mall Campus Lahore, waheed.rahman@ue.edu.pk

Abstract

Globalization is a dynamic process through which people, cultures, and economies across the world are becoming increasingly interconnected, transforming the globe into a "global village." While the impacts of globalization are profoundly evident across society, culture, and the economy, literature and poetry have equally been shaped by this phenomenon. In Urdu prose poetry (nasri nazm), the influence of globalization is perceptibly reflected at every level, from intellectual perspectives and thematic orientation to emotional consciousness. Urdu prose poets have actively engaged with global issues, environmental crises, human rights concerns, capitalist structures, militaristic frenzy, and the pervasive effects of technological advancement. Furthermore, they have poetically articulated the psychological dilemmas and spiritual malaise of the modern individual. Through exquisite prose poems, these writers have captured contemporary absurdity, identity crisis, cultural exploitation, existential isolation, shattered dreams, self-skepticism, and unfulfilled desires. This research paper critically analyzes the impacts and manifestations of globalization in Urdu prose poetry.

Keywords: Globalization, Urdu Prose Poetry (Nasri Nazm), Contemporary Absurdity, Identity Crisis, Cultural Exploitation, Existential Isolation, Modernity, Capitalism

اردو نثری نظم میں عالم گیریت کے اثرات کی جھلک ہمیں فکرو نظر اور جذبہ واحساس، دونوں سطحوں پر نظر آتی ہے۔ زبان میں عصری اصطلاحات، جدید محاکات، اور زندگی کے تیز رفتار، بے چہرہ اور مشینی انداز نے اردونثری نظم کو عالمی ادب سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ شاعر اب صرف مقامی حوالوں اور علاقائی مثالوں تک محدود نہیں رہا بلکہ وہ عالمی مسائل، ماحولیاتی بحران، انسانی حقوق، مہاجرت، اور سرمایہ دارانہ نظام کو بھی اپنی نظم کا موضوع بناتا ہے۔عالم گیریت(Globalization)سے مراد وہ عمل ہے جس کے ذریعے دنیا کے مختلف خطے، اقوام، اور معاشرتیں ایک دوسرے کے ساتھ معاشی، سیاسی، ثقافتی، تکنیکی اور سماجی طور پر پیوستہ ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسا رجحان ہے جس کی وجہ سے دنیا ایک ”عالمی گاؤں“ کی صورت اختیار کرچکی ہے، جہاں فاصلے کم ہو گئے ہیں اور معلومات، مصنوعات، افراد اور نظریات کی ترسیل تیز تر ہو گئی ہے۔ عالم گیریت کا تصور، جو معاشی، سماجی، ثقافتی اور فکری سطح پر دنیا کو ایک عالمی گاؤں میں بدلنے کا عمل ہے، نثری نظم میں ایک فکری اضطراب اور تہذیبی تصادم کے طور پر نمایاں ہوا ہے۔ جدید نثری نظم نگاروں نے اپنی کاوشوں میں عالمی مسائل، بین الاقوامی سیاست، ثقافتی استحصال، شناخت کے بحران اور زبانوں کے بدلتے رنگوں کو اپنا موضوع بنایا۔

بہت سے شاعروں نے عالمی مظاہر کے اثرات کو مقامی رنگ میں ڈھال کر نظم کے فکری تناظر کو نئی وسعت عطا کی اور قاری کو ایک عالمی فکری کینوس کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ نثری نظم کی یہی خوبی ہے کہ وہ کسی مخصوص ہیئت کی پابند نہیں، اس لیے عالمگیریت جیسے وسیع اور پیچیدہ موضوع کو پوری معنویت کے ساتھ بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اردو نثری نظم بیسویں صدی کی آخری دہائی میں موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر ایک ایسے دور میں داخل ہوئی جہاں عالم گیریت کی بدولت عالمی سطح پر تیز رفتاری سے رونما ہونے والی تبدیلیاں ادب سماج اور ثقافت سب کو متاثر کر رہی تھیں۔ بیسویں صدی کے اواخر میں عالمی سیاست، معاشرت، ثقافت، معیشت اور ٹیکنالوجی میں آنے والی تبدیلیوں اور انقلاب نے ادب اور خصوصاً مقامی ادب پر بھی اپنے اثرات

CC BY

مرتب کیے جس کی بدولت اردو نثری نظم صرف داخلی کرب اور احساسات کی ہی ترجمان نہیں رہی بلکہ اسلوبیاتی اور موضوعاتی سطح پر زبان کے دائرے کی وسعت کا باعث بنی۔ دنیا کا جغرافیہ صرف سیاسی سرحدوں تک محدود نہ رہا بلکہ ثقافت اور نظریات ایک دوسرے میں تحلیل ہونے لگے۔ اردو نثری نظم لکھنے والوں نے اس بازگشت کو محسوس کیا۔ پہلے نثری نظم کا دائرہ نہایت محدود تھا جس میں محض داخلی احساسات اور ذاتی مشاہدات ہی بیان کیے جاتے تھے اب نثری نظم ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہی تھی جہاں ذاتی تجربہ، اجتماعی شعور اور بین الاقوامی صورتحال سے جڑنے لگا تھا۔ عالم گیریت نے ادب کو وسعت دی اور فکر و فن کی نئی راہیں کھولنے کا آغاز کیا جس میں تہذیبی شناخت، لسانی تنوع اور ثقافتی رنگارنگی جیسے موضوعات کو اجاگر کیا جانے لگا۔ نثری نظم کے دائرے میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔ نئے نئے تقاضے اور اٹھنے والے سوالات کو موضوع اظہار بنایا گیا جو ماضی کی روایات سے ذرا مختلف تھے اور عصرِ حاضر کے ساتھ منسلک تھے۔ یہیں سے نثری نظم نے اپنے دامن میں وسعت پیدا کرنا شروع کی اور داخلی اسلوب کو عالمی سطح پر پرکھنا شروع کیا۔ نثری نظم کے شعراء میں نصیر احمد ناصر، مسعود قمر، کوثر جمال، یٰسین آفاقی، رافعہ وحید، عذرا عباس اور تنویر انجم بھٹی کی نثری نظموں میں عالم گیر فکر، ذاتی طرزِ احساس اور تہذیبی سوالات کو اجتماعی شعور کے ساتھ منسلک کیا گیا۔

یاسین آفاقی کی نظموں میں لایعنیت اور ماحولیاتی حوالے سے تشویش کی صورتحال کو واضح کیا گیا ہے۔ یاسین آفاقی کی نظموں میں لایعنیت پائی جاتی ہے۔ دنیا کا بدلتا منظر نامہ اور انسان کے بدلتے طور طریقے انسان کو اپنی ذات کے حوالے سے تشکیک کا شکار کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی نظموں میں عالمی جنگوں سے پیدا ہونے والے مسائل کا بھی ذکر ملتا ہے جس سے تمام ممالک متاثر ہوتے ہیں وہ ان جنگوں کو اس سے عالمی منظر نامے میں تبدیلی کو موسمی تغیر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف ممالک میں قحط کی وجہ سے ہونے والی اموات کا ذکر بھی کرتے ہیں ان کی نظم "محفوظ مقام پر" میں وہ ان مسائل کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"ہر سانس / ہر لمحہ خالی ہے

میں موسمی تغیر کا نقیب بن کر / بہتا ہوا سفید لہو ہوں

سومالیہ میں / بھوک کے منہ میں اترا ہوا ہوں

بوسنیا میں / جاذب کپڑے کی طرح

دل دوز ہواؤں سے سیر شدہ ہوں / دل کے دھارے میں

برف ڈھل کر دوڑ رہی ہے / ذہن کا بیڑا ڈوب رہا ہے

میں سانس کی ہوا در نلی ہوں / ننگی زندگی کا ناپ لینے

اور لباس کاٹنے کے لیے / میں کسی محفوظ مقام پر جانا چاہتا ہوں"(۱)

بھوک اور افلاس ایسا موضوع ہے جسے ہر شاعر ہر دور کے شاعر نے پیش کیا ہے۔ یہ افلاس کسی خاص قوم کا نہیں ہے، دنیا کے بہت سے ممالک کے لوگ اس کا شکار ہیں اور بعض تو غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ نظم "ہوائیں سرد ہیں" میں تنویر انجم اسی المیے کو بیان کرتی ہیں:

"ہوائیں سرد ہیں / آتشدان میں آگ ٹھنڈی ہو چکی ہے

اور میرے پاس ماچس کی آخری تیلی استعمال ہو چکی ہے

اگر میرے پاس ماچس کی ایک تیلی باقی ہو تو مجھے سوچنا پڑتا

میں اس آتش دان میں آگ جلاؤں / یا تمہارے ہاتھوں میں کانپتا ہوا سگریٹ

لیکن اب میں سوچ رہی ہوں

شاید اس وقت کہیں پر کسی بھوکے بچے نے کسی بم کو سیب سمجھ کر

اٹھانا چاہا ہو اور زمین سے بکھر کر آسمان میں چلا گیا ہو"(۲)

CC BY

اس نظم میں حالتِ جنگ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ نظم "الوداع کہنے سے پہلے" میں بھی جنگوں اور ان کے ہولناک اثرات کا بیان کیا گیا ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو جنگوں کے اثرات بہت ہولناک ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں ایٹمی جنگ اتنی خطرناک ہے کہ اس کے اثرات کا مشاہدہ اور تجزیہ کرنے کے بھی شاید کوئی زندہ نہ رہے۔ جہاں کہیں ایٹمی طاقت کا استعمال ہوا وہاں تباہی لازم ہو جائے گی۔ اس کے باوجود سازشوں کے تحت ممالک کو آپس میں، مفادات کے حصول کے لیے، لڑانے کی کوشش کی جاتی ہے اور مذموم عزائم حاصل کرنے کے لیے انسانیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور حیاتِ انسانی کو ارزاں اور حقیر تصور کیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر شاعرہ اس انداز میں کرتی ہیں:

"شام میں دھواں بہت ہے/ سمندر میں نمک بہت ہے

تاریخ میں جنگیں بہت ہیں/ اور ایسے میں سب کو جلدی ہوتی ہے

مجھے دھویں کے پار دور نظر آنے والے شہر سے/ پھول لے کر آنا ہے

ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کی مرمت کر کے

سمندر کے سفر پر جانے والے بچوں کو الوداع کہنا ہے

اور میدان جنگ میں مرتے ہوئے سپاہی کو ایک گلاس پانی پلانا ہے"(۳)

ناتمام خواہشات کا تذکرہ اکثر شعراء نے اپنے کلام میں موثر انداز میں کیا ہے۔ تشنہ خواہشات عالم گیریت کا ایک اہم موضوع ہے جو فرد کی داخلی کیفیات اور دنیا کے وسیع تر تناظر کے درمیان ایک گہرا تعلق قائم کرتا ہے۔ اسے عذرا عباس کی نثری نظموں کے حوالے سے دیکھیں تو اس کے بعض اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔ ہر انسان کی زندگی میں کچھ ایسی حسرتیں ہوتی ہیں جو تشنۂ تکمیل رہتی ہیں۔ اس میں بہت ساری وجوہات جو کہ سماجی بھی ہو سکتی ہیں اور بعض کو خود انسان کے اندرونی خوف یا مصلحتیں روک دیتی ہیں۔ ان ادھوری خواہشات کا ذکر خواب، نیند، یادوں یا ادھورے مکالمے کے طور پر ہوتا ہے۔ یہ خواہشات ایک فرد کی نہیں بلکہ اجتماعی تجربہ بن جاتی ہیں:

"چڑھتے سمندروں پر/ بادبانی کشتیوں میں سفر کرتے ہوئے ساحلوں پر

قدموں کے نشان سمندروں سے فاصلوں پر ہیں/ گھٹتی ہوئی روشنیوں میں، راتوں کے دکھ بڑھتے ہیں

جاتی ہوئی شاموں میں، خالی سڑکوں پر چلتے ہوئے/ خواہشیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی طرح سنائی دیتی ہیں

ہمارے پاس آنے والے دنوں کا کوئی پتا نہیں/ سیاہ چٹانوں کی طرح گھورتی ہوئی ان گنت آنکھیں/ سفر کا کوئی حصہ اداسیوں سے خالی نہیں

اندھیرے درختوں سے اتر کر تتلیوں کی طرف بڑھ رہے ہیں"(۴)

عالم گیریت کے باعث انسان کے خوابوں کی وسعت میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ ایک عام فرد بھی اب عالمی سطح پر خود کو دیکھتا ہے مگر اس کے وسائل یا سماجی پابندیاں اسے ان خوابوں کی تکمیل سے روکتی ہیں۔ خواہشات اور خوابوں کا یہ ادھورا پن صرف ہماری ذات تک محدود نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہزار ہا لوگ انہی حسرتوں اور محرومیوں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نظم میں ذات کی تشکیک کا ذکر بھی کرتی ہیں کہ انسان اپنے خوابوں کے تعاقب میں اپنی ہی ذات کے حوالے سے شک میں مبتلا ہو گیا ہے اور اسے شناخت کا مسئلہ در پیش ہے۔

"یہ سچ ہے/ ہمارے ہاتھوں میں ابھی محبت سے وزنی لفظوں کی خوشبو ہے

ہم راتوں کو اپنے بستروں سے اٹھ جاتے ہیں/ جب ہاتھوں میں پڑی ہوئی چوڑیاں بجنے لگتی ہیں

اور بازوؤں سے نیچے، دور تک پھیلی ہوئی مدھم خوشبو/ ہم کہاں چلے جاتے ہیں؟

اندھیرے میں پیچھا کرتی ہوئی روشنیاں/ ہم کیوں کھلے پانیوں پہ چلنے کی خواہش میں اپنی دہلیزوں پہ ہیں

ہمارے خواب ہم سے دور کہاں جشن منا رہے ہیں/ شام کا پہلا دن ہم سے کیوں جدا ہو گیا"(۵)

عالم گیریت کے بدولت رنگا رنگ زندگی نے جہاں انسان کو آسائشیں فراہم کیں ہیں وہیں بے زاری اور بے رنگی بھی در آئی ہے۔ ثقافتیں دم توڑ رہی ہیں اور اپنا وجود برقرار رکھنے کی کوشش میں ہیں۔

OPEN ACCESS

cc BY

سماجی مسائل کا تذکرہ تنویر انجم کی نظموں میں ملتا ہے۔ وہ خلائی مخلوق کی باتیں نہیں کرتیں بلکہ زمین پر موجود انسان اور ان کے مسائل سے واقف ہیں اور انہی کا ذکر کرتی ہیں۔ روزانہ کی بنیاد پر ٹریفک کے بڑھتے ہوئے حادثات، دہشت گردی سے متاثرہ لوگوں کی زندگیاں اور ان کے مسائل____ ان تمام باتوں کا وہ علم رکھتی ہیں اور گہرا شعور بھی اس لیے نظم کے پیرائے میں انہیں بیان کرنا، ان کے لیے اہم ہے۔ نظم "اگر وہ باندھ دے جوتے کا تسمہ" میں وہ ان کا ذکر اثر انگیز انداز میں کرتی ہیں:

"بھول جاتی ہوں / ٹریفک کے حادثے

اغواء کی وارداتیں / سڑکوں پر چلتی گولیاں

اسکولوں کے دھماکے / بس نظر میں رہ جاتا ہے

میرے بچے کے جوتے کا / کھلا ہوا تسمہ" (۶)

نظم "مثلث میز پر ڈنر پارٹی" میں بدلتے ہوئے "فوڈ کلچر" کا ذکر کیا ہے۔ لوگ غذائے فوری (Fast Food) کے شوقین ہو گئے ہیں اور زندگیوں سے سادگی کہیں بہت دور نکل گئی ہے۔ سادگی اور اصلیت سے دور ہونے کے باعث حیاتِ انسانی پیچیدہ ہو گئی ہیں۔ ہر چیز سادگی کی بجائے پر تکلف ہو گئی ہے، حد تو یہ ہے کہ تکلف کو بھی اخلاص سمجھا جاتا ہے۔

"اسے پسند ہیں / مثلث چیزیں

بنایا ہے اس نے مثلث ریستوران / جس کے مثلث کمروں میں ہیں

مثلث چیزیں / مثلث پلیٹیں

مثلث پیالیاں / اور مثلث طشتریاں

آباد رہنا ہے اس کا مثلث ریستوران / تاریخ سے بہت زیادہ

جس میں چوکور، مستطیل، بیضوی اور گول / اندر ہیں

اور مثلث باہر

وہ لکھیں گی / ایک نئی تاریخ

بروکلن میوزیم کی / ڈنر پارٹی میں" (۷)

ان متعدد نظموں میں عالم گیریت کے ماحولیاتی زاویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ فطرت اور آج کے انسان کو درپیش مسائل اور اس پر قدرت کا ردعمل پر کئی نظمیں موجود ہیں، جیسے نظم "پتا" میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ہم فطرت کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک کر رہے ہیں اس کے جواب میں قدرت بھی ہم سے انتقام لیتی ہے۔ وہ انتقام کہیں سیلاب کی شکل میں اور کہیں طوفان کی صورت میں ہوتا ہے اور کہیں موسموں میں شدت کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے فطرت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ڈاکٹر صوفیہ یوسف کے مطابق:

"آج جس طرح کے ماحولیاتی مسائل کا سامنا ہم اہل زمین کو ہے وہ سب مسائل ہم انسانوں کے پیدا کردہ ہیں۔ زمین ہی وہ معلوم واحد سیارہ ہے جہاں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے اس کی وجہ Eco Balance ہے جو (Mother Nature) سے برقرار رکھا ہوا تھا اور انسان نے شعوری و غیر شعوری طور پر اس (Eco Balance) کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ دوسرے سائنسی و سماجی علوم کی طرح ادبیات میں بھی ان ماحولیاتی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گویا باقاعدہ طور پر Green Criticism کی تحریک کا آغاز ۱۹۷۸ء سے ہوتا ہے لیکن دنیا کی تمام زبانوں کے ادب میں ہمیں فطرت سے محبت اور ماحولیاتی مسائل کا ذکر ملتا ہے۔" (۸)

فضا میں آلودگی، پانی کی آلودگی اور زمین کا سیم اور تھور زدہ ہونے کے پیچھے انسان ہی کے اعمال کار فرما ہیں۔ تیزی سے جنگلات کی کٹائی اور ہاؤسنگ سوسائٹی کا قیام، فیکٹریوں میں بنتی مصنوعات جو انسان کی ضرورت بنا دی گئی ہیں لیکن ان فیکٹریوں سے نکلنے والا زہریلا دھواں اور زہریلے مادے فضا کو آلودہ اور زمین کو بنجر کر رہے ہیں۔ ان سب کا نتیجہ ماحولیاتی عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ نظم "سمندر غیظ میں ہے" اور "بارش ہو سکتی تھی" ان سب نظموں میں ماحولیاتی عالم گیریت ملتی ہے۔

بارش ہو سکتی تھی / نہیں ہوئی

اگرچہ سڑکیں تیار تھیں / کیچڑ میں لت پت ہونے کے لیے لوگ تیار تھے

بجلی کا کرنٹ لگنے والی موت کے لیے / گٹر اپنا منھ کھولے پڑے تھے

گلیاں اپنا دم سادھے ہوئے بادلوں کو دیکھ رہی تھیں

کمزور چھتیں بھی دانت نکالے ہنس رہی تھیں

کہ اب کس کی باری آئے گی / کون ان کے دھمال سے موت کے منھ میں جائے گا

سب آسمان تک رہے تھے / جہاں بادل بہت گہری سنجیدگی سے

گھور رہے تھے اس شہر کو / جن پر وہ تنے ہوئے تھے

اور حیران تھے شہر کی مستعدی پر / پھر وہ تنے رہے برسے بغیر

بہت وقت گزر جانے کے بعد / انتظار کی دھول میں

سب کہہ رہے تھے / بارش ہو سکتی ہے(۹)

ایک اور نظم کا اقتباس ملاحظہ ہو:

سمندر نہیں دے رہا ہے / پانی ان بادلوں کو

جو لے کے جاتے ہیں پانی ان زمینوں پر / جہاں بسنے والے لوگ

ظلم کے سامنے سر جھکا رہے ہیں / جو بھوک اور ناانصافی

ایک دن کی غذا کے عوض / اپنے کشکول میں ڈال رہے ہیں

سمندر غیظ میں ہے(۱۰)

نظم "چکی گھومتی رہتی ہے" میں اہلِ اقتدار کے سرکاری ملازموں کے ساتھ کیے گئے جھوٹے وعدوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ سیاسی راہنماؤں کے جھوٹے وعدے اور ان وعدوں میں پستا ہوا متوسط طبقہ اور اس کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ دفتری نظام، استحصالی بیوروکریسی اور کھوکھلے سیاسی نعروں کے ذریعے عوام کو فریب دینے پر گہری تنقید کی گئی ہے۔

شہر کے وسطی چوک میں برکت اللہ کی چکی گھومتی رہتی ہے / لیکن جسموں کی گندم پس کر

جسموں بھوکے خوابوں کا رزق نہیں بن پاتی / رات کی مٹھی سے گر کر چاند بکھر جاتا ہے

سورج کی زردی میں ڈھل کر دن کا رنگ اتر جاتا ہے / گھر سے نکلے قدموں کی مدھم آوازیں

روزانہ امید کے ٹرمینل پر رکتی ہیں / اور دفتر کی گدلاہٹ دھونے جاتی ہیں

CC BY

پرموشن کے بے معنی وعدوں کا شور / ٹوٹی میز کی درزیں سنتی رہتی ہیں

الماری میں رکھی / خواہش کی فائل پر مٹی جمتی رہتی ہے

لیکن جسموں کی گندم پِس کر / جنموں بھوکے خوابوں کا رزق نہیں بن پاتی (۱۱)

یہ نظام عالم گیریت کے اثرات کے تحت پیدا ہونے والی جدید دفتری اور کارپوریٹ دنیا کی عکاسی کرتی ہے جہاں انسان، مشینی نظام کا ایک بے حیثیت پرزہ بن کر رہ گیا ہے۔ عالم گیریت نے ایسے نظام کو تقویت دی ہے جہاں نظام اور ادارے صرف منافع اور طاقت کے تحفظ کے لیے کام کرتے ہیں جبکہ عوام کو وعدوں اور امیدوں کی چکی میں پیسا جاتا ہے۔ نظم میں ''چکی'' کا استعارہ عالم گیریت کے تحت وجود میں آنے والے مشینی اور غیر انسانی نظام کی علامت ہے۔ یہ استعارہ اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ عالم گیریت کے معاشی اور دفتری نظام انسانیت کو نظرانداز کرتے ہوئے صرف منافع اور پیداوار کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔ اس نظام نے دفتری نظام کو پیچیدہ اور غیر شفاف بنا دیا ہے جہاں جھوٹے وعدے اور ظاہری پالیسیاں عوام کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ ایک نثری نظم میں جس قدر نغمگی اور شعریت ممکن ہو سکتی ہے، اسے بروئے کار لاتے ہوئے سماجی استحصال کے موضوع کو پیش کیا گیا ہے۔ نظم میں افسروں کے جھوٹے وعدے ان طاقتور اداروں کی نمائندگی کرتے ہیں جو عوام کو تسلیاں دے کر اصل مسائل سے توجہ ہٹاتے ہیں۔ نظم میں عوام کے استحصال اور ان کی بے بسی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ جس میں جھوٹے وعدوں کو ایک حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جہاں ادارے اور حکومتیں عوام کو طفل تسلی دے کر ان کی توانائی اور وقت کو ضائع کرتی ہیں۔ عالم گیریت نے دفتری نظام کو اس قدر غیر انسانی بنا دیا ہے کہ انسان ایک مشینی پرزے سے زیادہ کچھ نہیں رہ گیا۔ یہ نظم قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا عوام اس چکی سے نکل کر اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کر سکتے ہیں یا وہ ہمیشہ کے لیے اس نظام کا حصہ بن کر رہ جائیں گے۔ اردو کی نثری نظم میں عالم گیریت کے زیرِ اثر ہر لحظہ بدلتی ہوئی سماجی، ثقافتی اور معاشی زندگی کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ حقانی القاسمی اکیسویں صدی کی نظم کے متعلق رقم طراز ہیں:

''اکیسویں صدی میں صارفی معاشرت اور سوشل میڈیا کی فعالیت نے ہمارے طرزِ احساس کو مکمل طور پر بدل دیا ہے۔ گلوبلائزیشن کی وجہ سے ایک ایسا ذہنی نظام وجود میں آیا ہے جو مکمل طور پر معاش کے تابع ہے۔ اس سے قطع نظر کہ عالم کاری کے کتنے منفی اور کتنے مثبت اثرات ہمارے ذہنوں پر پڑے ہیں، اتنا طے ہے کہ اس کی وجہ سے وہ تمام کھڑکیاں اور دروازے کھل گئے ہیں جن سے کچھ زہریلی ہوائیں ہمارے ذہنوں تک پہنچ رہی ہیں اور ہمارے مابعد طبیعاتی تخلیقی عمل کو متاثر، مفلوج اور معطل کر رہی ہیں لیکن اس عالم کاری کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ دنیا ایک گلوبل ولیج بن گئی ہے اور ہم سب ایک عالمی معاشرے کا فرد بن گئے ہیں۔ اب انسانی ذات اور وجود سے جڑا ہوا مقامی مسئلہ بھی عالمی سطح پر فلیش ہو جاتا ہے اور اس میں عالمی برادری کی شرکت کی نوعیت کو شدت عطا کر دیتی ہے۔ آزادیٔ نسواں اور دلتوں کے استحصال کو موجودہ منظرنامے میں مرکزیت اس لیے مل گئی ہے کہ ان مسائل سے غیر متعلق طبقات بھی وابستہ ہو گئے ہیں اور یہ دونوں مسئلے دانشورانہ ڈسکورس سے جڑ گئے ہیں۔'' (۱۲)

نظم ''قطب شمالی کا موسم سرما'' میں زندگی اور اس کی سرد حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے، زندگی جو اداسی اور تنہائی سے معمور ہے۔ یہ نظم زندگی کی حقیقت، اداسی اور سرد و تاریک ماحول میں انسانی احساسات کی عکاسی کرتی ہے۔ ''قطب شمالی'' کا استعارہ، زندگی کی سختی، جذباتی سرد مہری اور وجودی تنہائی کی علامت ہے۔

اُس دن زندگی کو ہم نے / اپنے گرد جمتی سفید حقیقت میں دیکھا

اُفق تک پھیلی اُداسی / ہمارے خزاں زدہ وجود میں گھاس کی طرح اُگ آئی

منجمد لمحوں کے پاتال میں / جنگلی ہرن کے لہو کی سرخی

اور اجنبی شکاری کی چاپ سنائی دی / یہ زندگی کا پہلا تجربہ تھا

اُس دن کے بعد / ہم نے برفانی دنوں کی سردیاں

ایک بارہ سنگھا کے دل میں بسر کیں / اور باقی زندگی

اُفق پر اُڑتے سنہری پرندوں کے خواب میں (۱۳)

قطب شمالی میں موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات کرۂ زمین پر سب سے نمایاں اور عالم گیریت کی لہر نے صنعتی ترقی کے ذریعے ان تبدیلیوں کو تیز تر کر دیا ہے۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے قطب شمالی کے گلیشیئر پگھل رہے ہیں جو انسانی ترقی کے ماحولیاتی قیمت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نظم میں موسم سرما کی سردی اور اداسی اس ماحولیاتی بحران کی علامت ہو سکتی ہے جو انسانیت کے

مستقبل کو متاثر کر رہا ہے۔ قطب شمالی کی سرد اور بنجر زمین عالم گیریت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی زندگی کی حقیقتوں کو ظاہر کرتی ہے، جہاں انسان مادی ترقی کے پیچھے بھاگتے ہوئے جذباتی اور روحانی طور پر خالی ہو چکا ہے۔ "قطب شمالی" ایک ایسی دنیا کی علامت ہے جہاں مادی ترقی اور عالمی اثر و رسوخ نے زندگی کو سرد اور جذبات سے عاری کر دیا ہے۔ موسم سرما اس مایوسی، بے یقینی اور سختی کی نمائندگی کرتا ہے جو عالم گیریت کی وجہ سے زمین پر رونما ہوئے ہیں۔

نظم "Love is a Punishment" میں سپر پاور ممالک کی دوغلی پالیسیوں پر شاعرانہ تنقید کی گئی ہے۔ یہ نظم ان طاقت ور ممالک کی جانب اشارہ کرتی ہے جو نعرہ امن پسندی کا لگاتے ہیں لیکن درپردہ جنگوں کے لیے ماحول سازی کرتے ہیں اور خون خرابے اور تشدد کو ہوا دیتے ہیں۔

آج باہر مت نکلنا! / باہر پیشگوئیاں زندہ ہو رہی ہیں

جب آسمان سرخ ہو رہا ہو تو زمین بھی چیزیں رنگواتی ہے / مگر تمہاری شمولیت وہاں ضروری نہیں

ایسی لسٹوں میں مَیں ہر جگہ سے تمہارا نام مٹاتی ہوئی آئی ہوں / مجھے پہنچنے تو دو دیکھو میرے ہاتھ

انہیں پیچھے باندھ دو اور میرے بدن کی تمام سوئیاں نکالو اور پوچھو کہ میں کہاں سے آ رہی ہوں

وہاں بارش بہت تیز تھی / اور انسانوں کو درمیان سے کاٹتی تھی

سو جلوس کے پانچ ٹکڑے ہوئے اور میں بھاگ نکلی / یہ بتانے کے لیے کہ زندہ قومیں اپنا ثبوت خون خراب سے ہی دیتی ہیں

منہ سے امن امن کہنے میں کیا ہرج ہے... تم بھی کہو!(۱۴)

یہ نظم طاقت، سیاست اور عدم مساوات کے عالم گیریت سے منسلک پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہے۔ نظم درپردہ سپر پاورز کی منافقت کو بیان کرتی ہے جو ایک طرف امن کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف جنگی اسلحہ بیچتے اور تنازعات کو بھڑکاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں نو آبادیاتی استحصال کے نئے طریقے متعارف کرائے گئے ہیں۔ سپر پاور ممالک اب براہ راست قبضہ کرنے کے بجائے معاشی، سیاسی اور عسکری دباؤ کے ذریعے کمزور ممالک پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ امن کے پردے کے پیچھے خون خرابے کا کھیل جاری ہے۔ عالمی طاقتیں جنگوں سے منافع کماتے ہیں اور انسانی جانوں کی قیمت پر اپنے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں جس سے امن کے نعرے کا استحصال ہو رہا ہے۔ یہ نظم قاری کو اس نظام پر سوال اٹھانے کی دعوت دیتی ہے جہاں امن کا دعویٰ محض الفاظ تک محدود ہے اور عملی طور پر انسان جنگی جنون کا شکار ہے۔

نظم "دن مردہ پانی میں تیرتا ہے" میں سوشل میڈیا اور انسان کی تنہائی کا ذکر کیا گیا ہے اور انسانی ذہن کے برفاب ہونے، بے کار باتوں سے ذہن کے بھرے رہنا اور اکتاہٹ کے شکار انسان کی نفسیاتی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ نظم ایک معنی خیز استعارے کے ذریعے جدید انسان کی زندگی میں سوشل میڈیا کے اثرات اور تنہائی کو بیان کرتی ہے۔ نظم میں مردہ پانی، دن اور تنہائی کی علامتوں کے ذریعے عالم گیریت کے دور کی ان پیچیدگیوں کو اجاگر کیا گیا ہے جو انسانی تعلقات اور جذبات کو متاثر کرتی ہیں۔

کبھی کبھی تو میرا ذہن برف کا ٹکڑا بن جاتا ہے / سینہ میلوں پھیلی خشکی سے بھر جاتا ہے

بازو بے ثمر برفیلی زمین پر پگڈنڈیاں بن جاتے ہیں / بے کار باتوں سے بھرے بازار بے زاری کو بڑھا دیتے ہیں

فیس بک چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہے / انگلیاں چلتی رہتی ہیں

لاچاری کی دلدل میں بے چہرہ جسم بھٹکتے رہتے ہیں / ماں روٹی کی باتیں کرتی ہے

کون اچھا باورچی ہے؟ / چار دیواری میں نرگسیت کی بارش برستی رہتی ہے

میں اکتا کر اٹھتا ہوں / اور گلی میں خود کو ڈھونڈنے جاتا ہوں

محلہ چغدوں کا چغل خانہ ہے(۱۵)

"مردہ پانی" سوشل میڈیا کے ذریعے پیدا ہونے والے غیر حقیقی تعلقات اور بے مقصد وقت گزاری کی علامت ہے۔ سوشل میڈیا پر تعلقات اور گفتگو مصنوعی اور سطحی ہوتے ہیں۔ ڈیجیٹل طور پر دنیا کو جوڑتا ہے لیکن یہ تعلق اکثر خالی اور بے جان محسوس ہوتے ہیں جیسے مردہ پانی میں تیرنا۔ مردہ پانی میں تیرنا ایسی زندگی کی عکاسی کرتا ہے جو سوشل میڈیا کی بے معنی سرگرمیوں میں گزر جاتی ہے جس سے انسانی تعلقات کمزور ہو رہے ہیں اور لوگ اپنے قریبی تعلقات اور جذباتی سکون سے محروم ہو گئے ہیں۔ وقت کا ضیاع اور بے مقصدیت اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ

عالم گیریت نے انسان کو ایک مشینی اور غیر محسوس وجود میں بدل دیا ہے اور احساسِ مروت کو کچل دیا ہے۔ عالم گیریت کی بدولت سوشل میڈیا نے بے پناہ معلومات کا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ معلومات کا سیلِ رواں انسان کو الجھن میں مبتلا کر رہا ہے۔

نظم ''آدمی بیوپار ہے'' میں شاعر نے روپے کی بڑھتی ہوئی وقعت اور حیثیت اور انسان کی کم ہوتی ہوئی قیمت کا بیان طنزیہ انداز میں کیا ہے۔ عالم گیریت نے انسان کو مادیت سے اس قدر جوڑ دیا ہے کہ دولت اور مادی وسائل کی کمی انسان کو نہایت بے وقعت بنا دیتی ہے۔ شاعر نے انسان کی اس گھٹتی ہوئی عزت اور وقار کو طنزیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے نظم میں انسان کا موازنہ کتے سے کیا ہے کہ اس موازنے میں وہ کتے کو زیادہ اہم بناتا ہے۔

اسی دور نے عالم کاری کی بدولت انسان کی وقعت کم ہو گئی ہے اور انسان کی زندگی کو کتے سے بدتر قرار دینا اگرچہ نہایت سخت خیال ہے جو دور جدید کی بے حسی کے بھرپور عکاسی کرتا ہے تاہم ایک معاشرتی المیے کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

آدمی بیوپار ہے / آدمی کا دل بیوپار ہے

آدمی شاپنگ بیگ لیے بازار جاتا ہے / آدمی شاپنگ بیگ میں گھر واپس آ جاتا ہے

خالی جیب بندھے کتے کی طرح بھونکتی ہے / کتے کے جسم پر جیب نہیں

کتے کے سامنے پیالہ ہے / کتا صرف گالی دے سکتا ہے

آدمی نہیں بن سکتا! / جس آدمی کی جیب نہیں ہوتی

اس کے پاس پیالہ ہوتا ہے / آدمی ہو یا کتا

جو روٹی دیتا ہے / وہ مالک ہوتا ہے

جب پیالہ نہیں تھا / میں آزاد تھا

اب پیالہ بھرا ہوا ہے / بیوپار ہو رہا ہے

اب میں پالتو ہوں (۱۶)

نظم میں بیوپار کی علامت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان کے خواب، جذبات اور تعلقات بھی تجارت اور منافع کے اصولوں کے تابع ہو چکے ہیں۔ اس نظام نے انسان کو ایک مشین کی طرح بنا دیا ہے جو صرف پیداوار اور صارفیت کے لیے کام کرتا ہے۔ عالم گیریت نے تعلقات کو بھی کاروبار میں تبدیل کر دیا ہے جہاں محبت، دوستی اور خاندانی رشتے بھی مادی فوائد اور ذاتی مفادات پر مبنی ہو گئے ہیں۔ بیوپار کا استعارہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ انسان کو ایک قابل فروخت شئے سمجھا جا رہا ہے جو اپنے وجود کو سماجی توقعات کے مطابق ڈھالنے پر مجبور ہے اور ہوسِ زر، شاہدِ گل کو باغ سے بازار میں لے آئی ہے۔ دنیا چونکہ ایک عالمی منڈی میں تبدیل ہو گئی جہاں ہر فرد کسی نہ کسی طرح ایک خریدار یا دکان دار بن گیا ہے۔

نظم "وہ ہمیں رلا سکتا ہے" میں بین الاقوامی سازشوں کا ذکر ہے جس میں حریف قوموں کو سازش اور حربے استعمال کر کے اذیت دی جاتی ہیں۔ یہ ایک سیاسی و عالمی شعور پر مبنی نظم ہے۔ محکوم قوموں کے دکھ اور بے بسی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ عالمی طاقتیں اپنی معیشت، اسلحے اور نظریات اور قرضوں کے ذریعے قوموں کو اپنا غلام بناتے ہیں۔ جیسا وہ چاہتے ہیں قوموں کو رلاتے ہیں۔ ان کی تقدیر انہی سپر پاورز کے ہاتھوں منتقل ہو جاتی ہے۔ قوموں میں خوف پھیلا کر بھی اپنے مقاصد کو حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیشہ مظلوم اور محتاج رہیں۔ اس نظم کی جدید لفظیات عالم گیریت کی عکاس ہے اور آج کی تازہ اصطلاحات کو نمایاں کرتی ہے۔ یہ نظم ایک فکری احتجاج ہے:

"سات ارب ڈالر کا نیا امریکی خلائی اسٹیشن

ایٹمی اور غیر ایٹمی ہتھیاروں پر دولت کا ضیاع

غیر ملکی قرضوں/بینکوں میں قرضوں کے معافی ناموں

اور اسی طرح کی ہزاروں بدعنوانیوں نے/ایک روپے کو بالکل بے کار کر دیا

اور سگنلوں پر بھکاریوں نے/دو روپے کے نوٹ کی توقع شروع کر دی"(۱۷)

نصیر احمد ناصر نے نثری نظم کو محض بیانیہ یا آزاد شاعری کے پیرائے میں نہیں برتا، بلکہ اسے ایک داخلی اور جمالیاتی تجربے کی صورت دی۔ ان کی نثری نظمیں لفظوں کی ترتیب اور تاثر میں اس قدر مربوط ہوتی ہیں کہ قاری محض معنی نہیں بلکہ کیفیت بھی محسوس کرتا ہے۔ ان کی شاعری محض نثری نظم نہیں بلکہ ایک فکری اور روحانی تجربہ ہے۔ "پانی میں گم خواب" نصیر احمد ناصر کی نثری نظموں کا اہم مجموعہ ہے جو نہ صرف شعری جمالیات کا نمونہ ہے بلکہ اس میں عالم گیری عناصر بھی شدت سے موجود ہیں۔ یہ عناصر ناصر کے فکری پس منظر، علامتی اظہار، اور کائناتی شعور سے منسلک ہیں۔

عالمگیریت کے تحت پیدا ہونے والی تنہائی، بے چہرگی، شناخت کا بحران، کا بیان ملتا ہے۔ نصیر احمد ناصر نے فرد، کائنات، وقت اور خواب جیسے عالمی نوعیت کے موضوعات کو لطیف اور علامتی انداز میں پیش کیا ہے۔ نصیر احمد ناصر کی نظموں میں ماحولیاتی زوال، ٹوٹتے شہروں، اور گم ہوتی فطرت کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ یہ موضوعات بھی عالمگیریت سے وابستہ ہیں جہاں صنعتی ترقی، ٹیکنالوجی، اور گلوبل معیشت نے فطرت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

"بارش بھرا تھیلا" مسعود قمر کی نثری نظموں کا اہم مجموعہ ہے، جو جدید اردو ادب میں نثری نظم کے تجرباتی اور علامتی رجحانات کی ایک منفرد مثال ہے۔ اس مجموعے میں عالمگیریت کے مختلف عناصر نمایاں طور پر موجود ہیں۔ مسعود قمر کی نظموں میں موجود کردار کئی بار اپنی شناخت کے بحران سے دوچار ہوتے ہیں، جو عالمگیریت کے دور میں ثقافتی انفرادیت کھو دینے کا اثر ہے۔ یہ ایک ایسا نثری کینوس ہے جس پر عصرِ حاضر کے انسان کی عالمی صورتحال کی جھلک ملتی ہے۔ مسعود قمر نے نثری نظم کے اسلوب میں عالمگیریت کے اکثر فکری زاویے سمو دیے ہیں ــــ جیسے تہذیبی انحطاط، شناخت کا بحران، ماحولیاتی تبدیلی، انسانی دکھوں کی شراکت، اور ڈیجیٹل دنیا کا کرب۔ ان کی شاعری ایک عالمی شہری کے احساسات کی نمائندگی کرتی ہے، جو نہ صرف اردو ادب کا حصہ ہے بلکہ عالمی ادب کی بازگشت بھی۔

کوثر جمال کی نثری نظموں کا مجموعہ "نگاہِ دیگر کی روشنی میں" ایک جمالیاتی اور معنوی جہات سے بھرپور ادبی تخلیق ہے۔ اس مجموعے میں عالمگیریت کے عناصر نہایت باریکی سے نمایاں ہیں، جن میں تہذیبی میل جول، شناخت کا بحران، سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت، ٹیکنالوجی کا اثر، اور انسانی رشتوں کی نوعیت میں تبدیلی جیسے پہلو شامل ہیں۔ ان کی نثری نظموں میں عالمگیریت کے ثقافتی، سماجی، معاشی اور نفسیاتی اثرات نہایت لطیف اور گہرے اسلوب میں شامل ہیں۔ ان کا شعری منظر نامہ ایک بین الاقوامی شعور کا آئینہ دار ہے جو اردو ادب کو نئی وسعتیں عطا کرتا ہے۔

منفرد لہجے کی شاعرہ رافعہ وحید کی چند نظمیں ایسی ہیں جن میں عالم گیری عناصر موجود ہیں۔ ان میں انسان کی ازلی محرومیوں کا ذکر کرتی ہیں۔ انسان نے خواہ کتنی بھی ترقی کر لی ہے لیکن وہ محرومیوں کے اس جال سے نہیں نکل سکا۔ یہ رویہ کسی مخصوص خطے تک محدود نہیں بلکہ عالمی سطح پر انسان یہ محسوس کر رہا ہے۔ عذرا عباس کی نظمیں بیسویں صدی کے اختتام میں اردو ادب میں ایک منفرد اضافہ ہیں۔ ان کی نظموں میں عالم گیریت کی بدولت پیدا ہونے والے سماجی اور نفسیاتی خلاء کو انتہائی حساس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تنویر انجم بھٹی کی نظموں میں بھی زندگی کے انتشار اور گہما گہمی اور وجودی کرب کا بیان پایا جاتا ہے جو عام گیری دور کی سب سے بڑی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ سلیم آغاز قزلباش کی نثری نظموں میں تہذیبی سطح پر ہونے والی شکست وریخت اور مقامی بیانیے کا گلوبل بیانیے میں تحلیل ہونا نمایاں ہوتا ہے۔ سعادت سعید کی نظموں میں شناخت کے کھو جانے کا کرب واضح انداز میں ملتا ہے جس سے عالم گیریت کے ظاہری فوائد اور باطنی نقصانات کا اندازہ ہوتا ہے اور پھر یہ احساس شدت اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ احمد آزاد کی نظموں میں منفی اقدار کا نوحہ ملتا ہے جس نے معاشروں کو بگاڑ دیا ہے۔ زاہد امروز کی نظمیں ایک بے باک اور سیاسی اور مزاحمتی اسلوب کی کا حامل ہیں جس میں عالم کاری کے سبب سیاسی ایجنڈوں کو سمجھنے اور ان کے خلاف مزاحمت لیے ہوئے ہیں۔ مظلوم طبقات، طبقاتی تقسیم کے حوالے سے عالمی طاقتوں کے اثرات کو نمایاں کرتی ہیں۔ یہ نظمیں اپنے جمالیاتی حسن کی معیت میں سیاسی، سماجی، معاشرتی، وجودی اور عالمی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ نسرین انجم بھٹی کی نثری نظموں میں نسائی وجود طبقاتی شعور، ثقافتی ہجرت جیسے مسائل کو لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

نثری نظم ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں 'وسعتِ اظہار' کی بہت گنجائش ہے، چناں چہ وہ موضوعات بھی جنہیں "غیر شاعرانہ" خیال کیا جاتا ہے، نثری نظم میں سہولت سے بیان ہوتے ہیں۔ " عالم گیریت " بھی ایک ایسا وسیع، پیچیدہ اور رنگارنگ موضوع ہے جس کے بعض زاویے بہت عمومی اور بے تکلف ہیں۔ اس میں زندگی کے تلخ، ٹھوس اور مجرد حقائق بھی ہیں اور جذباتی، نفسیاتی، سماجی، ثقافتی اور روحانی حوالے بھی۔ اردو نثری نظم میں ان تمام عالمگیری زاویوں اور حوالوں کو بخوبی پیش کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ یٰسین آفاقی، "موسم میں بھیگی نظمیں" فیصل آباد: قرطاس، ۱۹۹۴ء، ص۲۲

۲۔ تنویر انجم، سفر اور قید میں نظمیں" مشمولہ "نئی زبان کے حروف" کراچی: آج پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص۷۸

۳۔ ایضاً، ص۸۲

۴۔ عذرا عباس، "نیند کی مسافتیں" مشمولہ "اداسی کے گھاؤ" کراچی: آج پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص۱۹

OPEN ACCESS

۵۔ ایضاً،ص ۱۸

۶۔ تنویر انجم،"نئے نام کی محبت"، کراچی: آج پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص ۱۵۰

۷۔ ایضاً،ص ۱۷۷

۸۔ صوفیہ یوسف،ڈاکٹر،جرنل آف ریسرچ،شمارہ ۱،جلد ۳۷،جون ۲۰۲۱ء

۹۔ عذرا عباس،اندھیرے کی سرگوشیاں"،مشمولہ "اداسی کے گھاؤ"، کراچی: آج پبلشرز، ۲۰۲۰ء،ص ۳۴۱

۱۰۔ ایضاً،ص ۴۰۳

۱۱۔ زاہد امروز،"کائناتی گرد میں عریاں شام" لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء،ص ۱۳

۱۲۔ حقانی القاسمی،"اکیسویں صدی میں اردو نظم" ادبی میراث، دسمبر ۲۰۲۱ء

۱۳۔ زاہد امروز،"کائناتی گرد میں عریاں شام" لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء،ص ۴۸

۱۴۔ نسرین انجم بھٹی،"تیرا لہجہ بدلنے تک" لاہور: کولاج پبلشرز، ۲۰۲۳ء،ص ۹۳

۱۵۔ زاہد امروز "جلے ہوئے آسمان کے پرندے" لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء،ص ۳۷

۱۶۔ ایضاً،ص ۵۵

۱۷۔ تنویر انجم "زندگی میرے پیروں سے لپٹ جائے گی" کراچی: آج پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء،ص ۲۸

CC BY